شواہد الالہام: مولانا حالی کی ایک غیر مطبوعہ تحریر

محمد افتخار شفیع

Abstract:

Abstract:Moulana Altaf Hussain Hali (1837-1914)is a great Urdu poet and a critic. He was also an important piller of Aligarh movement. SHAWAHID UL ILHAM is an Urdu Article of Moulana Altaf hussain hali.The origional manuscript of this Article is available in the personal collection of Moulana,s family lived in Sahiwal. The first part of this Article is still unpublished. This part introduced the logical points of Altaf hussain hali,s religious views of wahi and ilham. This reserch article is an overview of Hali,s prose and specially that represents the religious consciousness throgh logical point of view. The manuscript of this Article is publishig first time in Zuban o Adeb.

مولانا الطاف حسین حالی (۱۸۳۷ء - ۱۹۱۴ء) کا تعلق ایک انصاری خاندان سے تھا، ان کی ولادت پانی پت میں ہوئی اور وفات کے بعد انھیں حضرت بو علی شاہ قلندر رحمتہ اللہ علیہ کی درگاہ کے بیرونی احاطے میں دفن کیا گیا (۲)۔ ان کے جد امجد شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری کا سلسلۂ نسب چھبیس واسطوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ حالی کے اجداد ہرات (افغانستان) سے ہجرت کر کے ہندستان وارد ہوئے، سترہ برس کی عمر میں حالی کو تعلیم کا سلسلہ ترک کر کے رزق کی تلاش میں در بدر ہونا پڑا، لیکن تعلیم کے حصول کا شوق کم نہ ہوا۔ دہلی آئے مختلف صاحبان علم و دانش سے صرف و نحو، منطق، حدیث، تفسیر اور فلسفہ کی غیر رسمی تعلیم حاصل کی (۳)۔ غالب و شیفتہ کی مصاحبت نے ذوق سخن کو جلا بخشی، مولانا الطاف حسین حالی کی سرسید سے ملاقات ہوئی تو وہ ان کی زبردست شخصیت، ان کی مضبوط سیرت اور

سب سے زیادہ ان کے بلند مقاصد سے بے حد متاثر ہوئے، اور دل و جان سے سرسید کے ہو گئے۔ انھوں نے اپنی باقی زندگی کی ہر سانس اس مقصد کے لیے وقف کر دی کہ اپنی خواب غفلت میں سرشار قوم کو جگانا اور اسے ترقی کے راستے پر گام زن کرنا ہے۔ حالی ممتاز ترین نقاد کے منصب پر فائز ہوئے، حالی کے پیش کردہ نظریات کی ارتعاشی لہریں آج بھی خفی اور جلی طور پر محسوس کی جا سکتی ہیں۔ کلیم الدین احمد نے حالی کو اپنے سخت عقاید کے باوجود اہمیت دی ہے۔ کہتے ہیں " حالی اردو تنقید کے بانی بھی ہیں اور اس وقت تک اردو کے بہترین نقاد بھی "(۴)۔

مولانا حالی اردو نظم اور نثر، دونوں میں مجدد بنے۔ انھوں نے اگر چہ " پیروی مغربی" اور "انگریزی لالٹینوں" کی روشنی میں جملہ علوم فاضلہ کے مطالعہ کی بنیاد رکھی۔ سرسید احمد خان اور ان کے دیگر رفقا کی طرح مولانا بھی ہر علمی قضیئے کو نیچر (nature) کے تناظر میں دیکھنے کے متمنی ہیں۔ مولانا الطاف حسین حالی کی فکری کائنات کا ایک نمایاں پہلو ان کے مذہبی آثار بھی ہیں، جن سے ان کے افکار و نظریات کے پس منظر میں جدید یورپی علوم کے انجذاب کے ساتھ ساتھ گہرے مذہبی شعور کا ادراک بھی ہوتا ہے۔ بہ قول نظام صدیقی:

> حالی کی تنقیدی فکریات عالیہ کے فیضان کے دو سرچشمے قابل ذکر و فکر ہیں۔ ایک تو قرآن مجید کا ارشاد عالی جو آزادی دید (Philosia) کا منبع نور ہے۔ یعنی دیکھو اس پر غور کو جو کچھ زمین آسمان میں پیدا کیا گیا۔ دوسرا مغرب کا وہ منطقی اور سائنسی رویہ (Philosophia) ہے جس کو انگریزی نقد عالیہ میں تجزیاتی تنقید (Discursive Criticism) سے موسوم کیا گیا ہے، جو حسن پارہ اور صداقت پارہ کے تجزیاتی مطالعہ سے محسوسات کے وسیلہ سے حاصل کردہ تاثرات کو خصوصی اہمیت و معنویت عطا کرتا ہے۔(۵)

بد قسمتی سے اردو کے اس توانا نقاد کی طرف اس کے شایان شان توجہ نہیں دی گئی۔ حالی کا فلسفہ و فکر بہت سے حوالوں سے اپنے جلو میں اختلافی پہلو رکھتا ہوگا لیکن ان کے اخلاص پر شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ انیسویں صدی کی ایک جامع اور کثیر الجہت شخصیت تھے۔ سرسید احمد خاں کی معیت میں انھوں نے تعلیم و تہذیب، اخلاق حسنہ اور روشن خیالی پر مبنی افکار کی بنیاد رکھی۔ سرسید کی علی گڈھ کی اصلاحی تحریک میں بھی حالی نے ان کا بھرپور ساتھ دیا۔ انھیں پاک و ہند کے مسلمانوں کی زندگی میں مذہب کے اثر و نفوذ کا احساس تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں ملی شعور پیدا کرنے کی کوششوں کے دوران سب سے زیادہ مذہب اور متعلقات مذہب کو ہی اظہار کا وسیلہ بنایا گیا۔ ان کی شاعری میں بھی اسی کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ حالی تمام عمر مسلمانوں کے اجتماعی مفادات کے حصول کے لیے کوشاں رہے۔ ان کے نزدیک مذہبی عقاید کی عقلی توجیہات بھی ملتی ہیں۔ ان کی زندگی میں ایک مرحلہ ایسا بھی آیا جب حالی نے اسلام پر غیر مذہب والوں کی فکری یلغار کا جواب دینا اپنا مقصد اولین سمجھا۔ ان کی نظم کے ساتھ نثر میں میں بھی اس نوعیت کا بھرپور مواد دست یاب ہے۔ ان نثری کتابوں میں تریاق مسموم، علم طبقات الارض، مجالس النساء، مقدمہ شعر و شاعری، یادگار غالب اور حیات جاوید اہم ہیں۔

اس کے علاوہ مولانا الطاف حسین حالی کے نثری مضامین کے مختلف مجموعے شایع ہوے۔ جو راقم کو دست

یاب ہو سکے ہیں ان کی تفصیل کچھ یوں ہے:۔

۱۔ **مقالات حالی**، جلد اول و دوم، (مرتبہ) مولوی عبدالحق، انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، ۱۹۳۶ء

۲۔ **یادگار حالی**، صالحہ عابدہ حسین، دہلی، انجمن اردو، ۱۹۴۹ء

۳۔ **ارمغان حالی**، (مرتبہ) پروفیسر حمید احمد خان، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، س ن

۴۔ **کلیات نثر حالی**، جلد اول و دوم، (مرتبہ) مولوی اسماعیل پانی پتی مجلس ترقی ادب، لاہور،

۵۔ **انتخاب نثر حالی**، (مرتبہ) ہادی اعظمی، نصرت پبلشرز لکھنو، ۲۰۰۳ء

۶۔ **مقالات الطاف حسین حالی**، (مرتبہ) نکہت بریلوی، کراچی، اردو منزل، ۱۹۸۳ء

مولانا حالی کی شخصیت میں عاجزی و انکساری کے ساتھ ساتھ ایک خاص قسم کی بے نیازی بھی تھی۔ان کے بہت سے مضامین و مقالات کی کوئی ترتیب نہیں تھی۔مولانا کی نثر کے مرتبین اس حوالے سے اکثر اپنی بے مائیگی اور نارسائی کا تذکرہ کرتے ہیں۔حالی کے کلیات نثر کے مرتب مولوی اسماعیل پانی پتی اپنی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:۔

ا: مولانا کی اپنی لائبریری میں خود ان کی تالیفات اور تصنیفات مکمل طور پر موجود نہیں۔

ب: مولانا نے تمام عمر میں ملک کے رسائل و جراید میں مضامین لکھے، نہ ان کی لائبریری میں ان کا ریکارڈ موجود تھا اور نہ ہی وہ پرچے موجود تھے جن میں وہ مضمون شایع ہوئے تھے۔

ج: بعض اوقات اس امر کا علم بھی نہیں ہو پاتا کہ مولانا مرحوم نے اپنی زندگی میں ابتدا سے آخر تک کن کن رسالوں اور اخباروں میں مضامین لکھے تھے۔

د: ان پرانے رسالوں اور پرانے اخباروں کا مہیا کرنا بھی بہت دقت طلب کام تھا جن میں مولانا کے مضامین شایع ہوئے تھے، کیوں کہ اخبارات کے اخبارات کے مضامین ایک دفعہ چھپ جانے کے بعد نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ملک میں ایسی کوئی لائبریری موجود نہیں جہاں پرانے اخبارات کے تمام فائل محفوظ ہوں۔(۶)

ان مسائل کے سبب حالی کی دریافت شدہ یہ تحریر ایک خاص اہمیت اختیار کر جاتی ہے۔دریافت شدہ نایاب مقالہ شواہدالالہام ساہیوال (تب منٹگمری) میں مقیم مولانا حالی کے خاندان کے ذاتی ذخیرۂ نوادر میں موجود تھا۔وہاں سے ساہیوال کے اس وقت کے ڈپٹی کمشنر اور معروف شاعر مصطفی زیدی کے پاس پہنچا اور پھر ان کے معتمد خاص اشرف قدسی کے کتب خانے کی زینت بن گیا۔اس مقالے کا مسودہ اگرچہ اپنی خستگی کی داد چاہتا ہے، لیکن مولانا کا عمدہ سواد تحریر دور سے پہچانا جاتا ہے۔یہ تحریر عام سائز کے سات صفحات پر مشتمل ہے۔اس کے عکسی نقل بھی واضح ہے ،کہیں کہیں پرانا ہونے کی وجہ سے بعض الفاظ کی کو سمجھنا مشکل ہے۔ شواہدالالہام موضوع کے لحاظ سے ان دو حصوں پر مشتمل ہے۔

۱۔ الہام اور وحی کی ضرورت پر عقلی دلائل

۲۔ نبی کی ضرورت پر ایک وجدانی شہادت

اس مضمون میں حالی نے عقلی دلائل اور شواہد سے واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ اللہ رب العزت نے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا اور پھر وحی اور الہام کے ذریعے انسانیت کی ابدی رہ نمائی کو ضروری سمجھا۔ اس کے بغیر نوع انسانی کی کامل دست گیری ممکن نہیں۔ اس سلسلے میں مولانا نے عقل وفہم کے بنیادی ا اصولوں کے مطابق وحی اور الہام کو بنیادی انسانی ضرورت قرار دیا ہے۔ اپنی بات کو ثابت کرنے کے لیے انھوں سائنسی علوم سے مدد بھی لی ہے۔ اس مقالے کا پہلا حصہ الہام اور وحی کی ضرورت پر عقلی دلائل ہمارے علم کے مطابق تا حال غیر مطبوعہ ہے۔ یہ مولانا حالی کے نثری مضامین کے دستیاب مجموعوں میں شامل نہیں۔ اس لحاظ سے یہ مولانا الطاف حسین حالی کی نثر کی ایک گم شدہ کڑی ہے۔ شواہد الالہام کا دوسرا حصہ نبی کی ضرورت پر ایک وجدانی شہادت مولوی عبدالحق کی مرتبہ مقالات حالی، جلد اول میں شامل ایک مضمون انبیاء میں ذیلی عنوان کے تحت شایع ہوا ہے، اس مضمون کے نامکمل ہونے کی وجہ سے قاری واضح طور پر علمی تشنگی محسوس کرتا ہے۔ محسوس کچھ یوں ہوتا ہے کہ مولانا اس موضوع پر شاید کوئی مبسوط اور مدلل مقالہ یا کتاب لکھنا چاہتے تھے لیکن بہ وجوہ ان کی یہ خواہش ادھوری رہی۔ وحی اور الہام کی عقلی اور منطقی توجیہات پیش کرتے ہوے مولانا حالی نے الہامی کتابوں قرآن مجید اور بائبل کے حوالوں کے ساتھ ساتھ مختلف فیلسوفوں اور مورخوں چارلس رولن(Charles Rollin)، فیثا غورث (Feesa goras)، افلاطون (plato)، لائیکرگس (Lykourgos King)، سولن (Solon)، لوشین (Lo sheen)، سائیمونیڈیز(Simonides) اور کنفیوشس(confushas) کے حوالے دیے ہیں۔ یہ بہ ذات خود مولانا کے مشرقی علوم کے ساتھ ساتھ ان کے مغربی علوم میں دل چسپی کا غماز ہے۔ مقالے کی ابتدا میں حالی انسانی عقائد کی متنوع اقسام کی بات کرکے ان کا تجزیہ کرنے پیش آنے والی رکاوٹوں کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ اپنے دور میں رائج علوم اور ان کی تحصیل میں حائل مشکلات کا تذکرہ کرتے ہوے کہتے ہیں:۔

> آج کل مذہب کے منکروں کی مختلف آوازیں ہمارے کان میں پہنچتی ہیں، جو کہ ہم کو اکثر تعجب میں اور کبھی کبھی وساوس اور خطرات میں ڈالتی ہیں اور جن کو سن کر ہم اکثر ہنس دیتے ہیں اور کبھی ہمہ تن فکر اور تامل میں ڈوب جاتے ہیں۔ علی الخصوص یہ آواز کہ نوع انسانی اپنی تکمیل میں الہام کی محتاج نہیں ہے۔ یا یہ کہ الہام کی ضرورت کسی عقلی دلیل سے ثابت نہیں ہوسکتی گو ہمارے دل کو کچھ جنبش نہیں دیتی مگر اس کو کسی قدر کاوش میں ضرور ڈال دیتی ہے اور جب ہم اہل مذہب کے مقالات میں کسی ایسی دلیل کی جستجو کرتے ہیں جو اس عالم آشوب کا فتنہ کا مقابلہ کر سکے، تو کوئی بات ہم کو ایسی نہ ملتی جو اس زمانہ کے طریقہء استدلال سے مناسبت رکھتی ہو اور جس کے پیش کرنے میں ہم کو اپنے مضحکہ کا اندیشہ نہ ہو۔ اس سے یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہیے کہ مذہب کی بنیاد ایسی کچی باتوں پر ہے، جن کا ثبوت سنجیدہ طور پر آج تک کسی نے نہیں دیا۔ بل کہ یہ سمجھنا چاہیے کہ جن وجدانی شہادتوں پر مذہبی کمال شفیق اور خیر خواہ جانتے ہوں ایک مرکب دوا جس

> کے اجزا اس طبیب کے سوا کسی کو معلوم نہ ہوں اکثر امراض میں لوگوں کو بتائے اور اس سے اکثر بیماروں کو نفع ہوتا ہو ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں اس دوا کی ترویج کے لیے لوگوں کا محض حسن ظن اور صدق ارادت کافی ہے، لیکن اس طبیب کے معتقد اس دوا کو کسی ایسے ملک میں لے جا کر برتنا چاہیں گے جہاں کے لوگ اصول علم و عمل سے باخبر ہوں گے اور تقلیداً کسی مجہول دوا کے [استعمال] کرنے کو برا جانتے ہوں تو ضرور ان معتقدوں کو اس بات کی حاجت پڑے گی کہ اس دوا کے اجزا اور اس کے ہر ایک جزو کی طبیعت اور اس کے افعال و خواص اور تمام نسخہ کا مزاج بیان کر کے لوگوں کی تشفی کیوں کہ وہاں صرف اپنا حسن ظن بیان کرنا اور یہ کہنا کہ ہم اس دوا کو بہت مدت سے استعمال کرتے اور اکثر فائدہ اٹھاتے ہی کچھ کام نہ آئے گا(۷)

مولانا حالی کے خیال میں یہ تصور درست نہیں کہ مذہبی افکار کم زور بنیادوں پر استوار ہیں۔آج تک دنیا میں کوئی بھی یہ ثابت نہیں کرسکا۔مذاہب عالم کے صحیح ہونے کے حوالے سے ان کے داعی عمومی طور پر جو دلائل پیش کرتے ہیں ممکن ہے عہد حاضر میں وہ لوگوں کی تشفی نہ کرسکیں۔ان کے مطابق کسی شہر کے باشندے علم و عمل کے اصولوں سے نابلد ہوں۔وہ بیمار ہونے کی صورت میں جس طبیب کے پاس جاتے ہوں،اس کی تجویز کردہ دوا سے شفا مل جانے کی صورت میں وہ اس طبیب کے اخلاص کے سبب اس کے صدق ارادت کے قائل ہو جائیں گے۔یہی لوگ اس دوا کو ایسے علاقے میں جا کر متعارف کروائیں جہاں کے لوگ اس دوا کی ساخت اور اس کے اجزا کے استعمال کو درست نہ جانتے ہوں تو باوجود اس کے کہ انھیں اس دوا سے فائدہ ہوا تھا وہ اس وقت تک ان لوگوں کی تسلی نہ کرسکیں گے،جب تک وہ اس کے اجزا و مرکبات سے کلی طور پر آگاہ نہ ہوں۔بالکل اسی طرح مذاہب عالم کے حق میں پیش کیے گئے دلائل اس وقت تک کارآمد نہیں ہوسکتے،جب تک کہ استدلال کا کوئی نیا طریقہ تلاش نہ کرلیا جائے۔حالی اس سلسلے میں وحی اور الہام کو بہ ذریعہ دلائل ثابت کرنے کے لیے انسانی کوتاہ علمی کا اعتراف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:۔

> اصل مقصود کی بحث سے پہلے ہم کو یہ دیکھنا ضرور ہے کہ الہام کا ثبوت دینا کہاں تک ہمارے اختیار میں ہے اور کس قدر ثبوت دینے کے بعد ہماری حجت تمام ہوسکتی ہے،ظاہر ہے کہ تمام دعوؤں کا ثبوت ایک ہی عنوان پر نہیں ہوسکتا بل کہ مختلف قسم کے دعوؤں کے لیے مختلف قسم کے ثبوت درکار ہیں۔مثلاً اگر ہم زید کی نسبت یہ دعویٰ کریں کہ اس نے دیدہ و دانستہ کبھی خیانت نہیں کی تو اس بات کا یقین دلانے کے لیے ہم کو یہ ثابت کرنا ضرور نہیں ہے کہ جس دن سے زید نے ہوش سنبھالا ہے اس دن سے آج تک ایک دم بھر ہم سے جدا اور ہماری نظروں سے غائب نہیں ہوا اور اس تمام زمانے میں کبھی اس سے خیانت سرزد نہیں ہوئی بل کہ صرف اس قدر کافی ہے کہ اس کی دیانت داری کی چند نظیریں جو قابل اطمینان [ہوں] بیان کر دی جائیں گی۔لیکن اگر ہم ایک گول خط کی نسبت جو کسی سطح کو گھیرے ہوئے یہ دعویٰ کریں کہ اس خط کی

استدرات حقیقی ہے تو جب تک ہم پرکار رکھ کر یہ نہ دکھا دیں کہ اس خط کے تمام نقطے مرکز سے متساوی البعد ہیں تب تک ہمارا دعوا واجب التسلیم نہ ہوگا۔الہام کا ایسا ثبوت مانگنا [کذا] ایسی بات ہے جیسے زید کی دیانت داری دریافت کرنے کے لیے اس کی تمام عمر کے حالات اور واقعات کو اول سے آخر تک ضبط کرنا، پس جس طرح زید کا اعتبار ثابت کرنے کے لیے اس کی دیانت داری کی چند نظیریں بیان کرنی کافی ہیں، اسی طرح الہام کے ثبوت میں صرف ایسی باتیں پیش کرنے سے جن کو سن کر منصف آدمی مطمئن ہو جائے، بے شک ہماری حجت تمام ہوسکتی ہے۔(۸)

مولانا نے سائنسی تناظر میں اس کائنات کے وجود میں آنے اور اس کے ارتقائی تسلسل کو مذہب اور جدید سائنسی علوم کے ساتھ مربوط کرنے کی سعی بھی کی۔اس مرحلے پر مغربی افکار سے ان کی مرعوبیت واضح ہوجاتی ہے۔ حالی طبیعیات، کیمیا، اور نباتات کے علوم سے مثالیں دے کر مذہبی تصورات کی تائید کرتے ہیں۔ان کے خیال میں اس کائنات کے ابتدا وارتقا کے مختلف مراحل کو مرحلہ وار یوں بیان کیا جا سکتا ہے:۔

۱۔ کائنات کا چھے دن یا چھے وقفوں میں پیدا ہونا، یہ بات جدا ہے کہ یہ دورانیہ کتنے عرصے پر مشتمل ہے۔

۲۔ زمین کی ایک خاص ترتیب، جس کے مطابق اول یہ ویران اور سنسان تھی، پھر اس کی تاریک فضا میں ایک نور کا جھماکا ہوا اور، خشکی تری سے جدا ہوئی اور زمین پر چاروں طرف نباتات پھیل گئے۔اس کے بعد کے مرحلے میں پانی اور خشکی کے جان ور پیدا ہوئے۔اس سلسلے میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں:۔

یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ کتاب پیدائش میں نور وظلمت کا سب سے پہلے دن پیدا ہونا بیان کیا گیا ہے اور چاند اور سورج اور دیگر کواکب کا پیدا ہونا چوتھے دن کہا گیا ہے۔ پس اگر ایک ایک دن سے کئی کئی ہزار برس کا ایک ایک دورہ مراد لیا جائے تو روشنی اور کواکب کی پیدائش میں ایک بونِ بعید واقع ہوتا ہے۔لیکن غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ کتاب پیدائش کا بیان بالکل قانونِ طبعی کے مطابق ہے کیوں کہ زمانہ حال کے طبعیوں کے نزدیک یہ بات مسلم ٹھیر گئی ہے کہ روشنی کواکب سے کچھ علاقہ نہیں رکھتی بل کہ وہ تمام جو میں اس طرح پھیلی ہوئی ہے جیسے سیال کہرباتی تمام اجسام میں ساری ہے۔مگر جس طرح یہ سیال اپنے ظاہر ہونے میں کسی سبب کا محتاج ہے اس طرح روشنی کواکب کی محتاج ہے۔یعنی ان کے سبب سے ہم پر ظاہر ہوتی ہے۔بہ شرطے کہ جَو میں کدورت اور کثافت نہ ہو۔ پس جب کہ روشنی کو اصلی تعلق جو کے ساتھ ہے تو ظاہر ہے کہ وہ کواکب کے سوا ایک جدا مخلوق ہے اور ممکن ہے کہ ان دونوں چیزوں کی پیدائش کے زمانے مختلف ہوں جیسا کہ کتاب پیدائش سے ظاہر ہے(۹)

مولانا الطاف حسین حالی نے اس مقالے میں جیالوجی کے علم کے مطابق ماہرین کے جدید نظریات کی روشنی میں بھی وحی کے حوالے سے اپنے عقیدے کو ثابت کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔اس سے پہلے خود مولانا کے بہ

قول وہ جیالوجی یعنی طبقات الارض کے علم پر مشتمل ایک عربی رسالے کا ترجمہ کر کے اس کی اشاعت کے حقوق بغیر کسی معاوضے کے پنجاب یونی ورسٹی کو دے چکے تھے(۱۰)۔اس مقالے سے مولانا کی اس شعبے میں خاص دل چسپی کا علم ہوتا ہے۔ یہاں اس موقع پر مولانا نے یقینی طور پر اس کتاب کے مندرجات سے استفادہ کیا ہوگا۔الہامی کتابوں میں طوفان نوح علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوے حالی ماہرین ارضیات کے خیالات کی روشنی میں آسمانی کتابوں پر اپنے ایمان کی تائید کرتے ہیں۔مولانا نے موجودہ عہد کے آثار سے اور زمین کی اندرونی ساخت اور سمندر کی نچلی تہوں میں سے برآمد ہونے والے ثبوتوں کو اپنی بات کے سچا ہونے کے لیے بہ طور دلیل استعمال کیا ہے۔مولانا حالی کہتے ہیں:۔

> علم جیولوجی کی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ طوفانِ عام بے شک واقع ہوا اور اس نے سطح کرہ زمین کو سخت تفسیر پہنچایا۔ بڑی دلیل اس کے واقع ہونے کی یہ ہے کہ زمین کے تمام اطراف و جوانب میں پہاڑوں سے اور اس زمانے۔۔۔سے بہت دور دور گول پتھریوں کے بڑے عظیم الشان رواسب پائے جاتے ہیں۔جن کے دیکھنے سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پتھریاں جو اپنے اپنے ٹھکانوں سے اتنی اتنی دور پائی جاتی ہیں ان کو پانی کے نہایت سخت صدموں نے منتقل کیا ہے۔اس کے سوا پہاڑوں کے بڑے بڑے پرکالے جن کو اس علم کی اصطلاح میں حجادہ ضالہ کہتے ہیں۔ وہ کبھی تو نرم زمین پر ایسی جگہ پائے جاتے ہیں جہاں سے وہ پہاڑ جن سے یہ الگ ہوئے ہیں نہایت دور ہیں اور کبھی ایسے پشتوں کے بدلتے ہیں جو ان کے ہم لخت پہاڑوں سے بہت زیادہ بلند ہیں اور اس سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو کسی نہایت زبردست زور نے جس کا حادث مکانی ہرگز نہیں کہہ سکتے ان کے ٹھکانے سے جدا کر کے وہاں پہچایا ہے۔اس کے سوا یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ اکثر دردباروں اور وادیوں کے پانی کا بہاؤ اسی سمت میں ہے جس سمت میں حجار ضالہ اور گول پتھریاں بہ کر گئی ہیں اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس غارت گر پانی کا ویران پتھروں اور پتھریوں کو بہا کر لے گیا ہے اسی نے ان رود باروں اور وادیوں کا منہ پھیر کر راہ سے لے راہ کر دیا ہے اور یہ تینوں اثر ایک ہی وقت میں اور ایک ہی تاخیر سے ظاہر ہوئے۔(۱۱)

مولانا حالی کو ابتدا ہی سے انسانی زندگی میں مذہب کے نفوذ کا احساس تھا۔مذہب کو لوگ عام طور پر عقلیت کے خلاف سمجھتے ہیں۔ حالی نے اس تصور کی نفی کی ہے۔ان کے خیال میں مذہب کی بنیاد عقل پر ہے،انھوں نے تمام امور کو عقلی دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے۔اسلام میں مذہبی موضوعات کو عقل کی روشنی میں پرکھنے کی ابتدا معتزلہ سے ہوئی۔انھوں نے صفات خداوندی سے متعلق عام مسلمانوں کے نظریات کو کر کے اس کی نئی نئی تاویلات پیش کیں۔حالی نے سرسید کی صحبت میں رہ کر مذہبی تصورات وعقاید کو جدید شعور کے ساتھ دیکھا۔ان سے اختلاف ممکن ہے لیکن ان کی نیت پر شبہ نہیں ہوسکتا۔ فطرت کا دین کے ساتھ ان مٹ رشتہ ہے۔مذہب عقل و ارتقا کا دشمن

نہیں، حالی نے بھی اس دور کے علم الکلام کے مطابق وحی اور الہام جیسے نازک موضوع پر ہونے والے اعتراضات کو خالص علمی اور عقلی تصورات کی روشنی میں رد کرنے کی سعی کی۔ وہ ہر حال میں قوم کی ترقی چاہتے تھے۔ اپنے خوابوں کو عملی روپ عطا کرنے کے لیے انھوں نے علمی اور ادبی کاوشیں کیں۔ ان کے بعد کوئی ان کی یادگار بنائے نہ بنائے مولانا حالی کا کثیر الجہتی کام ہی ان کا نام زندہ رکھے گا۔

حوالہ جات:

(۱) صالحہ، عابدہ حسین، **یادگار حالی**، دہلی: انجمن اردو، ۱۹۴۹ء ص۱۲

(۲) افتخار احمد، صدیقی، (مقدمہ)، **کلیات نظم حالی**، جلد اول، خواجہ الطاف حسین حالی، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۸ء، ص۵

(۳) حمید احمد خان، پروفیسر، (مرتب)، **ارمغان حالی**، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، س ن، ص۸

(۴) کلیم الدین احمد، **اردو تنقید پر ایک نظر**، کراچی: مکتبہ تعمیر ادب، ۱۹۸۶ء، ص۱۱۰

(۵) نظام صدیقی، "ہندوستانی ادب میں حالی کا مقام"، مشمولہ، کتابی سلسلہ، **استفسار**، جے پور: شمارہ ۴، اپریل ۲۱۰۵ء، ص۷

(۶) اسماعیل پانی پتی، مولوی، (مقدمہ)، **کلیات نثر حالی**، جلد اول، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۷ء، ص۱۱

(۷) حالی، الطاف حسین، مولانا، **شواہد الالہام**، مملوکہ اشرف قدسی، مقیم: علامہ اقبال ٹاؤن لاہور، ص۳

(۸) حالی، الطاف حسین، مولانا، **شواہد الالہام**، ص۴

(۹) حالی، الطاف حسین، مولانا، **شواہد الالہام**، ص۵

(۱۰) افتخار احمد، صدیقی، (مقدمہ)، **کلیات نظم حالی**، جلد اول، ص۱۳

(۱۱) حالی، **الطاف حسین**، مولانا، شواہد الالہام، ص۵